سُرمنڈل کا راجہ
علی اکبر ناطق

سُر منڈل کا راجا

علی اکبر ناطق

سانجھ

فہمیدہ ریاض
کے نام

ترتیب

پیش لفظ

احباب یہ میری نظموں کی تیسری کتاب ہے، کافی دیر بعد منظر پر آ رہی ہے۔ اِس سے پہلے کی دو کتابیں آپ دیکھ چکے ہیں جن میں پہلی (بے یقین بستیوں میں) اور دوسری (یاقوت کے ورق) ہے۔ یاقوت کے ورق کی بہت سی نظمیں سفیرِ لیلیٰ کی وجہ سے دب کر رہ گئیں جس کا مجھے رنج ہے مگر کوئی بات نہیں، اِس طرح تو ہوتا ہی آیا ہے۔ اب یہ کتاب (سُر منڈل کا راجہ) جسے آپ پڑھنے جا رہے ہیں، میرے خیال میں ایک نئے آہنگ کے ساتھ آپ کا ساتھ دے گی اور سنجیدہ قاری سے مطالبہ کرے گی کہ وہ زبان اور علاقائی تعصّبات اور میری ذات کے متعلق پھیلائے گئے فتنوں سے مبرا ہو کر دیکھے کہ مَیں کہاں تک شاعری کی جمالیات اور جدید خیالات کو ہم آہنگ کر سکا ہوں۔ اگر مشرق میں بسنے والا نقاد اور بالخصوص برِ صغیر کا قاری واقعی میرے آرٹ کو سمجھنا چاہتا ہے تو میں اپنا سرمایۂ حیات اُس کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ اِس کے علاوہ میرے پاس خدا شاہد ہے کہ کوئی زر نہیں ہے، کوئی دولت اور جائداد نہیں ہے نہ کوئی خواہش اِن چیزوں کی رکھتا ہوں۔ مَیں تو اپنی ذات کے خول میں گُھٹے ہوئے درسی نقادوں سے بھی کچھ نہیں چاہتا کہ اُن کا شعر و ادب سے واسطہ ہوتا بھی نہیں۔ میرا تقاضا تو زندہ دل رکھنے والے قاری سے ہے۔ وہی قاری جو صرف آرٹ سے محبت کرتا ہے۔

اس کتاب میں موجود نظموں پر جن دوستوں کے مشورے اور احتساب کا ہاتھ ہے، اُن میں ظفر سید سرِ فہرست ہیں۔ شاید شعر اور فکشن کے معاملے میں ظفر سید کی تنقیدی نظر پر میرا اعتماد برِ صغیر بھر میں سب سے زیادہ ہے۔ اُنھوں نے ہی اِس کتاب کا ٹائٹل بھی تیار کیا ہے۔ رہے فاروقی صاحب، تو وہ ہمارے اول دن سے ہی دیوتا ہیں اور دیوتاوں کے بارے میں اُن کے عبادت گزاروں کے خیالات نہیں پوچھے جاتے۔

علی اکبر ناطق

علی اکبر ناطق کی لگ بھگ ہر نظم سُننے کے بعد جب بھی یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ شاید اِس نے اپنے اظہار کی معراج حاصل کر لی ہے اور اِس سے آگے بڑھنا ناممکن ہوگا، وہ اگلی ہی نظم میں ایک نیا راستہ اختیار کر کے نئے سفر پر گامزن ہو جاتا ہے۔ اِس کی مثال کے لیے: یاقوت کے ورق: میں شامل سفیرِ لیلیٰ دیکھیے جو اپنی اُٹھان کے لحاظ سے زمانہء قبل از اسلام کے سبع معلقات کی یاد دلاتی ہے اور اِس کے بعد زیرِ نظر مجموعے میں دیسی رنگ ڈھنگ کی نظمیں دیکھیں۔ یقین کرنا مشکل ہوگا کہ یہ ایک ہی شاعر کی تخلیقات ہیں۔ اِس سے پہلے بھی کئی شاعروں نے؛ چناب رنگ: پر مبنی شاعری کی ہے لیکن وہ بڑی حد تک اُردو میں پنجابی الفاظ کھپانے تک محدود رہے ہیں۔ اُن کے مقابلے پر علی اکبر ناطق کی ''نفیریاں بجانے والیاں، ناگ، نیلا پنکھو، لقے کبوتر پالنے والے، شریر بالیو، مرے چاند، میں چانن کے دیس کا پنکھو'' وغیرہ ایسی نظمیں ہیں جن کی صرف لفظیات ہی مقامی نہیں بلکہ ناطق نے اُن کا اُسلوب، ساخت، روایات حتیٰ کہ متھالوجی تک پنجابی رکھی ہے، جس سے اِن نظموں میں آپ کو پنجاب کی مٹی کی سوندھی خوشبو اپنے تمام رنگوں کے ساتھ محسوس ہونے لگتی ہے اور دور کہیں باجے کے ساتھ بھنگڑے اور ڈھول کی ہلکی تھاپ سنائی دینے لگتی ہے جو قریب آنے پر بھی بھلی لگتی ہے۔ یہ پنجاب رنگ پہلے ناطق کے افسانوں میں ملتا تھا لیکن شاعری کا خمیر کسی دوسری دنیا سے اُٹھاتا تھا مگر موجودہ نظموں میں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ اپنی تخلیقی نثر اور شاعری کو ایک دھارے پر لانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ تاہم نثر کے برعکس اِس کی شاعری میں روحانی اور مابعد الطبیعاتی پہلو بہت نمایاں ہے۔ ناطق کی نظم کا بیج مٹی میں ضرور ہوتا ہے لیکن نظم اُوپر اور اُوپر اُٹھتے اُٹھتے جاودانی آسمان کی وسعتوں سے ہم آہنگ ہو کر آفاقی اسطورہ بن جاتی ہے جسے آپ غیر فانی اساطیر کے پہلو میں دیکھ سکتے ہیں۔ مجھے ایک اعزاز رہا ہے کہ میں پچھلے پانچ برس سے علی اکبر ناطق کی تقریباً ہر نئی نظم کا اولین سامع رہا ہوں، اِس کے باوجود کم ہی ایسا ہوا ہے کہ اُس کی نئی کاوش سُنتے وقت دل میں یہ سوال پیدا نہ ہو کہ اِس شخص کی تخلیقی صلاحیتوں کی کوئی تھاہ ہے بھی کہ نہیں۔

زیف سید

اسلام آباد، ۲۵ جنوری ۲۰۷۱

جن دوستوں کی نظر شب روز ہمارے حال پر رہی اُن سب کے شکریے کے طور پر نام لکھنا تو ممکن نہیں البتہ کچھ جو ابھی یاد آئے اُن میں شمس الرحمٰن فاروقی ،ظفر اقبال، شہاب صفدر، سیّد گلزار حسنین ،انجم اقبال، زیف سیّد، منظر نقوی، شیراز منظور حیدر، اظہار الحق صاحب، مسعود احمد، سیف محمود، حسن نقوی، شمیل حسین، اظہر حسین عابدی، اشفاق عامر، احمد اقبال ترمذی، عامر فراز، عابد خورشید، اختر عثمان، شہاب صفدر، طارق بھٹی، طارق مسعود، زبیر فیصل عباسی، سیّد حیدر شاہ، اشرف ملک، ڈاکٹر صلاح الدین درویش، فرح ضیا، جاوید ملک، عامر ہاشم خاکوانی، عرفان جاوید، افضال سیّد، تنویر انجم، انور سِن رائے، عذرا عباس، قاسم یعقوب، ڈاکٹر ناصر عباس نیّر، کاشف منظور، سعید احمد، سیّد رضا زیدی، ارسلان راٹھور، قیصر عباس، سیّد عامر جعفری، علی ہاشمی، سلیمہ ہاشمی، بلال منٹو، اُسامہ صدیق، کاظم جعفری، محمود فاروقی، رخشندہ جلیل، تصنیف حیدر، معید رشیدی، آصف فرخی، سیّد کاشف رضا، عقیل عباس جعفری، جہانزیب زیبی، احمد شہزاد لالہ، ندیم احمد، ندیم اصغر، زیب بنگش، عمر فرحت، دلاور عباس، احمد اعجاز اور کئی دوست جو ہر وقت میرے ہمسفر رہے۔

سُر منڈل کا راجا

پچھلے دِنوں کی دیواروں پر بُن کر رات کے جالے
ٹھنڈے دلوں کے گاڑھے لہو پر پڑھ کر منتر کالے
مَیں جادو کے دیس چلا ہوں، جس کے پار اُجالے
نیل سرا میں کھو جائیں گے مجھ کو ڈھونڈنے والے

چھُونے والے، پاس آئے تو پاس نہ آنے دوں گا
سحر نگر میں پری تماشا، پر یوں پاس رہوں گا

آنکھ ہوا کی بھر آئے گی، دُھندلائیں گے تارے
راہِ سفر میں جاگ اُٹھیں گے ٹھہری نیند کے مارے
تیز اُڑے گی جیت ہماری اُونگھنے والے ہارے
چھن چھن چھا جا چھنکائیں گے چُپ بیٹھے ہنکارے

پورب پچھّم باجنے والا ایک خدا کا باجا
نام ہمارے بجوائے گا سُرمنڈل کا راجا

مُلک سراب کی جادو نگری اور جادو کا ٹیلا
جوں جوں پربت پھیلتا جائے توں توں ماتھا گیلا
آخری برفوں کی منڈلی پر پھول ازل کا نیلا
آبِ حیات رگوں میں جاری لیکن چہرہ پیلا
جادوگرنی مجھے پکارے، مَیں پنکھو شرمیلا
آخر کھینچ لیا منتر نے، ایک چلا نہ حیلا

مرے کچی رہ کے مسافرا

مرے کچی رِہ کے مسافرا
ترے دست و پا کو سلامتی
ترے جان و دل کو امان ہو
تری چرمِ نرم کی چھاگلیں ہرے پانیوں سے بھری رہیں
ترے راستوں کا غبار اوس کی بارشوں سے جما رہے
ترے اُونٹ کے کھرے پیتلوں کی وہ گھنٹیاں
جنھیں گیت گانے سے کام ہے
جنھیں ہر قدم پہ سماعتوں سے کلام ہے
وہ صدائے نغمہ سے پُر رہیں
سرِ شام زردِ غروب میں چھپے پنچھیوں کے نظارا ہیں
بھرے بادلوں میں لہو بھِری، گھنی سُرخیوں کے مزاج داں
شفق آئنوں کی حجابیوں کے طلسم کھولتے سامری

تُو سرائے اَبر عبور کر پرِ نیلگوں سے خراج لے
تُجھے منزلوں کی ہوا لگے
تجھے پربتوں کا خدا ملے
وہ خدا کہ جس کا نزول ہے بُتِ جاں کے حرف و کلام میں
وہ کلام ضامنِ رہروی جو سُنائے نغمۂ سرمدی
جو بجائے باجۂ دلبری
مرے کچی رہ کے مسافرا
تری خورجیں میں پڑی ہوئی ہیں حیاتِ سُرخ کی نیکیاں
ترے بازوؤں سے بندھی ہوئی ہیں ستونِ عرش کی ڈوریاں
رگِ پا کے زخم سنوارتی ہیں جہانِ قاف کی باندیاں
کسی بے نشان سرائے پر تجھے عیب وقفہ قیام کا
مرے کچی رہ کے مسافرا

مرے چاند

سُنو! زندہ گاؤں کی بالیو
مرے چاند پانی میں جا گرے
چلی تہہ میں لَو کی نفیرنی
لگی کرنیں روح کی ڈولنے
اِنھیں ڈوبنے سے بچائے کون
اِنھیں ڈولنے سے ہٹائے کون
ڈُھلی دھوپ دیس کی دیویو
کلی چھوئی موئی، کنواریو
مرا ہاتھ ہلکے سنبھالیو
مَیں اُترنے والا ہوں تال میں
کھرے آسماں کے شوال میں
بِرے نیل بن کے زوال میں

مرے چاند پانی میں جا گرے
مَیں اُٹھا لوں اُن کو شتاب سے
ٹھَرے پانیوں کی کتاب سے

ہرے گاؤں والی ندانیو
کھلے جوبنے کی سیانیو
یہیں پاس رکھ دو یہ گاگریں
بھری چاندنی کی یہ چھاگلیں
ذرا ہاتھ پہلو میں ڈالیو
مجھے ہولے ہولے سنبھالیو
اَری گھگرے اپنے بچائے کے
کڑے جھانجروں کے بجائے کے
ہری خوشبوؤں سے گزاریوں
گھنی روشنی میں اُتاریو
کرو حوصلے سے جدا مجھے
مَیں اُٹھا لوں اُن کو خدا کرے
مرے چاند پانی میں جا گرے

نفیریاں بجانے والیاں

ہمارے گاؤں آ گئیں نفیریاں بجانے والیاں
نفیریاں بجانے والیوں کے دائیں بائیں رقص میں بشارتیں
تریل کی شراب پی کے، سانجرے کی سُرخیوں کے ملک سے
سوار ہو کے سورجوں کی روشنی پہ آ گئیں نفیریاں بجانے والیاں
ہمارے گاؤں کے خراس والے چوک میں
دو بیریوں کی لاگروں کے سبز سائے
سوندھی سوندھی گاچنی سے لیپی آسنوں پہ آج پھر
چڑھیں ہیں صندلی کنواریاں، نفیریاں بجانے والیاں
نفیریاں بجانے والیوں کے کان کی لوَیں گلاب کی
گلابوں کے کنارے گھومتی ہیں گول گول سی بھنبھیریاں
نفیریاں بجانے والیوں کی کُرتیاں ہلال کی، غرارے نور کے
غراروں کے حصار میں کھنکتی چار چار جھانجریں

سفید جھانجروں کے بیچ کانچ اور پارے کی شریر پنڈلیاں
ہمارے گاؤں کے ہیں سادہ سادہ کاسنی سے گھر
گھروں کے زندہ آنگنوں میں آ گیا نفیریوں کا میٹھا میٹھا شور
بجا رہی ہیں گاؤں کی جوان بالیاں، نفیریوں کے سنگ تالیاں
ہمارے گاؤں آ گئیں نفیریاں بجانے والیاں

تیری بیلیں تیرے پھول

اک چرواہے نے کاٹی ہیں تیری بیلیں تیرے پھول
تُو نے بڑھ کر چوم لی اُس کے دو قدموں کی دُھول
لمبے دنوں کی پگڈنڈی پر چرواہے کی جھول
پور پور میں اُس کے چبھی ہے بانک پنے کی سُول
سُول قبیلے والے اُس کے، کیکر اور ببُول

دُھول گگن کا رہنے والا، گلے میں غم کے ہار
دُھوپ کے سائے میں بُنتا ہے دن کے روشن تار
شام تھکے تو آجاتا ہے پورب دیس کے پار

روغنی چاندوں کی فصلوں پر چرواہے کی آنکھیں
اور آنکھوں کی زرد شفق میں یاقوتوں کے ڈورے

کون پچھانے چرواہے کی سانس میں چلتی آگ
آگ کی لپکیں رات سمے میں صندل تن کے بھاگ
اُس پر قاتل چرواہے کی بانسریا کے راگ
جاگ نصیبوں ماری سُندری، میٹھی رُت میں جاگ
سورج تیرے شیشہ بدن پر بیٹھا بن کر ناگ

نیلا پنکھو

نیلا پنکھو کس نے دیکھا، کون بتائے
کون بتائے نیلے پنکھو کی پہچان
ایک بھارت لاکھ برس کی نیلا پنکھو
بوجھے اُس کو کون بھلا انسان
میرے دل کی نیلی شاخوں پر اُس کا احسان
جوڑ کے نیلے پیڑ کے تنکے نیلے پنکھو
اِن شاخوں پر آ ہلنا پایا اَن دیکھے پر دھان
نیلی شاخیں سبز ہوئیں اور پھیلی مسکان
ساتھ مرے اب گائے گیت وہ نیلا پنکھو

نیلا پنکھو کس نے دیکھا، کون بتائے
نیلا پنکھو مَیں نے دیکھا
سانس کی نیلی لہر میں دیکھا

نیلے پنکھو کی دو آنکھیں نیلم کی

نیلم کی اک گول سی گانی اور پازیبیں نیلم کی

کلغی نیلے پنکھو کی اِک نیلم موتی

پاؤں نیلے نور کے کنگرے

عرشِ علیٰ کے پہلو والے نیلے کنگرے

عرش جو قوسِ نظر تک نیلا

جس کے پار خدا کی ٹیلا

ٹیلا نیل کے منڈل والا

نیلے پنکھو کے پَر چکنے اور ملائم نیلم کے

نیلے پنکھو کی منقار میں ٹکڑے تیز کٹیلے

نیل گگن کے ٹکڑے نیلے

نیلا پنکھو روغنی پَر سے اُڑتا ہے

نیلے فلک تک اُڑتا ہے

نیلی رُت میں اُڑتا ہے اور گاتا ہے

گیت فنا اور نیلے بن کے

نیلا پنکھو مَیں نے دیکھا

نیل نگر کی نہر میں دیکھا

نہر میں اُس نے ڈُبکی کھائی

اک پنکھو کی مشل بنائی

اور اُفق کے نام ہوا وہ نیلا پنکھو

نیلا پنکھو مَیں نے دیکھا

جادوگروں سے سنو فسانہ

جادوگروں سے سنو فسانہ، بات کریں گے چھُو منتر
چھو منتر سے آگ بنا کر دیواروں پر ماریں گے
دیواروں پر رنگ بنیں گے آگ کی تیز شبیہوں کے
رنگ شریر نفس کے جلوے آنکھوں پر لہرائیں گے
ایک گلابی شیشے میں پھر قاف پری دکھلائیں گے
چھو منتر سے تار بُنیں گے اور ہوا پر پھینکیں گے
قید کریں گے وقتِ قضا کو تار کی پتلی جالی میں
جالی بند کریں گے دل میں، صحنِ خدا میں بھیجیں گے
اور پڑھیں گے چھو منتر کا بول دوبارہ
دِل پھر وقت اُچھالے گا اور زرد شفق برسائے گا
تیرِ اُفق سے لال پرندہ پربت پر مروائے گا
خون ملے گا چہرے پر اور ماتمی صف بچھوائے گا
کالے دھاگے گھیر بنا کر منتر پڑھ پھونکائے گا
جادوگروں کے افسانے کو بستی چوک پھرائے گا
جادوگروں سے سنو فسانا

لقے کبوتر پالنے والے

لقے کبوتر کس نے پالے، جس گھر گھگرے والی نار
جس گھر اُونچے بانس کی چھتری اور چھتری کے پھُمن چار
جس کی چھت پر چاند خدا کا اور بنیرے جالی دار
کھڑے بنیروں کے کنگروں پر سُرخ لہو کی پھیلی دھار
جس گھر دودھیا رنگ کے ہیرے اور ہیروں کی ناف انار
جس گھر مال گلابی سارا، قصبہ جس کا پہریدار
لقے کبوتر پالنے والے جگ بھیتر ہیں بس دو چار

لقے کبوتر جس نے پالے، اُس کے چونترے چھن چھن باجیں
دُبلے گلے کی گانی والے گٹکوں گٹکوں بول کے بھاگیں
رات ستاروں والے دیوے لمبے دنوں کو سورج لاگیں
لمبے دنوں کی دُھوپ سنہری، دُھوپ میں مُندری والے جاگیں

لقے کبوتر پالنے والے باجرا چھڑ کے لاتے ہیں
لال کنالی آوی والی پانی سے بھرواتے ہیں
کاسنی باتھو کُوٹ کے پوچا آنگن میں پھرواتے ہیں
پھول لوَے کی توریوں والے کیوڑا بھر چھڑکاتے ہیں
گھاگھرے والی اور کبوتر رقص میں تیرتے جاتے ہیں
دیکھنے والے لوگ ندیدے آنکھوں کو سہلاتے ہیں
پتلے آب کے شیشے لے کر کوٹھوں پر آجاتے ہیں

دور کا باجا

دُور سنائی دیتی ہے آواز مجھے اک باجے کی
مَیں باجے کی سمت چلوں تو باجے چاروں اور
راگ بکھر کے بن جاتے ہیں سو گھنگھرو کا شور

سانس کے لمبے پروں پر اُڑ کر کوہِ نِدا تک جاؤں
لیکن راہ نہ پاؤں
کون پچھانے اِس باجے کو، بھید بھرا یہ ساز
بھید بھرے اِس ساز کے اندر قرنوں کی آواز
کوئی بجانے والا اِس کا عقلوں پر بے باز
ایک پُرانا راز
اُڑتے اُڑتے تھک جاتا ہوں باجا پھر بھی دُور
پربت، ٹیلے، نیل سرائیں، آکاشوں کا نور
میرے پروں کی راہ میں آیا توریتوں کا طُور
باجا پھر بھی دُور

ایک اَجل کے زرد کلس پر باجے اِس کا راگ
راگ تلک وہ جائے ہٹیلا، جس کے جاگے بھاگ
برسوں روغنی من میں جلائے اپنے نفس کی آگ
اور سُنے پھر کن رَسیا وہ قرنوں والے راگ

زرد کلس پر باجنے والے جتنا چاہے، باج
ہم سُنیں گے آج

چل گلوں کی سیر کو

۱

سخنوروں میں خوش نوا
نقیبِ عہدِ نظمِ نو
نکل حریمِ خاک سے
فضائے نیلگوں کے امبروں پہ آنکھ ڈال
چل گُلوں کی سیر کو
دیکھ باغِ بے نوا میں فصلِ سبز آ گئی
ذرا سی دیر کج کلاہ منظروں کو دیکھ
ہزاروں پھول آئے ہیں صبا کی جلسہ گاہ میں
صبیح صورتوں کے پھول، خوش نگاہ، سُرخ رُو
ذرا سی دیر چل کے اُن سے ہم سخن تو ہو

مرے عزیز ہم نفس

مجھے نہ دے وہ دعوتیں جو آگ کی اماں میں ہیں
کہ صد ہزار سال سے رہینِ سوزِ جاں ہوں مَیں
وہ سوزِ جاں، جو اشکِ وقت کے بہاؤ سے نہ بجھ سکا
مرے کریم، گر تجھے یقیں نہ ہو
تو آ مرے قریب آ کے اُن گُلوں کا لمس لے
جنھیں دیارِ سیم کی خُنک ہوائیں کھا گئیں
وہ گل مرے رفیق تھے
چلے گئے، مرے رفیق و آشنا
مزاج داں چلے گئے
بلند گردنوں کے سر، بڑے گھروں کے جانشین
زندہ باد رونقوں کے پہلے پہلے ساکنین
سبز بخت ٹہنیوں کی چھاؤں کے پلے ہوئے
سلامتی کی جاں بہار صبح میں چلے ہوئے
سفید و سرد پانیوں کے آس پاس کے مکیں
ہری زمیں پہ سورجوں کے اولیں امیں
دراز قامتوں کے آسماں چلے گئے
لُٹے ہوئے چلے گئے
جو بے حجاب کر رہے تھے روشنی کے چاند کو
وہ جا چکے

جو دھو رہے تھے آنسوؤں سے رات کے جہان کو

وہ جا چکے

جو رام کر رہے تھے حسن کے دماغ کو

جو نور دے رہے تھے رات کے چراغ کو

جو پھول کی لطافتوں میں خود شریک تھے

وہ منظروں میں اب نہیں

جو پتیوں کی سانس کے اسیر تھے

میانِ دشت سو گئے

۳

ہماری آبرو کے پاسباں

نئے جہاں کے خوش لحن، سفیرِ لفظ

شاعری کے رمز آشنا، بتا ذرا

وہ کون تھے جو بانسری کی تان چھیڑ کر چلے گئے

دلوں کے آئینوں میں داغ چھوڑ کر چلے گئے

جگر کے رزق سے غموں کو پالتے رہے

نظر کے رنگ سے شفق اجالتے رہے

جو آفتاب نہرِ اشک سے اُچھالتے رہے

سکوتِ شام میں قمر کو ڈھالتے رہے

وہ کون تھے

۴

مرے سخن کے راز دار، اے صدائے نور، سُن

ازل کی خیمہ گاہ سے ابد کی رہگزار تک
لُٹی پُٹی نشانیوں کو آنکھ سے سوال کر
تمھیں ہزاروں دل ملیں گے کنکروں کے درمیاں
کٹے پھٹے لہو میں تر
وہ دل کہ کُچلے جا چکے سیاہ پتھروں کی راہ میں
ہوس شکار بندروں کی کارگاہ میں
چھدے ہوئے شریف دل
عدم سے وقت کی لگام جن کے ہاتھ میں نہ آسکی
جنھیں نہ شَر کی نیّتوں سے زرہِ فن بچا سکی

مرے حبیب شاد باد
یہی وہ تھے کہ جن کے پاس رزقِ نورِ عقل تھا
عصائے خیر کی صدا انہی کے پیش بیں رہی

یہی تو تھے
قلم کی نوک سے چراغ کی لوَیں بنا گئے
چراغ کی لوَ وں کو بانبیوں کے راستوں میں رکھ دیا
یہی تو تھے
جو تیرہ تار بانبیوں سے بھانپتے تھے سانپ کی پھنکار کو
برہنہ پا مسافروں کو رات کے سراب میں
بصارتیں دکھا گئے، سماعتیں سنا گئے
سخن کے تار پاک ذات موتیوں سے باندھ کر
یہ پھینکتے تھے تیرگی کے بام پر

بکھیرتے تھے چاندنی
بشارتوں کی آئتیں، کہانیوں کی دولتیں اُنھی کے پاس تھیں
اُنھی کے پاس موقلم، اُنھی کے پاس رنگ تھے
کھنڈر میں زندگی اتارتے
نگر میں امن کی تلاوتوں کا سحر پھونکتے
تپے دنوں کی دھوپ سے نکالتے تھے کاسنی
گھنی شبوں میں کرنے والے فتنہ کُش ریاضتیں
زمین و آسماں کے درمیان کشمکش کے راز داں
اِنھیں خبر تھی، کس طرح ہوائیں پالتی ہیں آگ کے خمیر کو
وہ جانتے تھے شہ رگوں سے ظُلم کے حصار کاٹنے کا فن
سو ریگ مارتے رہے سیہ دلوں کے سنگ پر
مگر نہ ہو سکی ہوائیں ہم نوا چراغ کی
سمیٹتی رہی غنیمتوں کی راکھ
اور بھر دیے عذابِ دود سے مکانِ جسم و روح
تو یوں ہوا کہ اس ہجومِ پُشت خار میں
وہ بے زرہ، نصیرِ زیست خود ہی کٹ گئے
وہی تھے جن کے معجزوں کو ریسمانِ ساحری نے کھالیا
فرازِ چوبِ خشک کے سپرد ہو گئے
شقی دلوں کی تیغِ زہر اُن کے سر پہ آ پڑی
سحر کی خامشی میں لُٹ گئے
وہی کہ جن پہ بطخیں گریہ کر کے رہ گئیں

جنھیں ثوابِ صدق آبِ ریگزار میں بہا کے لے گیا
گناہ گار ہاتھ جن کو رہزنوں کی مشک باندھ لے گئے
کنوؤں کی قید میں دیا
اُجاڑ کنج میں دھویں کے اژدہوں کے درمیاں
نوید کے زمانوں سے پڑے ہوئے وہی تو ہیں
وہی تو ہیں کہ جن کو مصلحت کے اونٹ کی سواریاں نہ بھائیں
اور منزلوں کے فاصلے نہ مٹ سکے
سو موت اور قید کے میان اِن کی رونقیں رہیں
مری متاعِ درد کے شریک یہ وہی تو ہیں
جنھیں مرے سلام تک نہیں ملے
نہ اُن پہ گریہ کر سکا
سلامتی ہو آپ پر مرے قدیم ہم زباں
تمھیں خبر ہے، کیا کہوں
ہُنر وروں کی بستیوں میں بھوت آ گئے
یہ بھوت روپ دھارتے ہیں لمحوں کے حساب سے
ملیں گے تم کو نیکیوں کی سبز کائی کے لباس میں
حمامِ بادگرد کے طلسم میں
منار کی صدا بلند گمٹیوں کے چاند پر
نمازِ خضر کے امامِ پیش رو کی شکل میں
بہشت کے نقیب بن کے دوڑتے ہیں بے یقین وادیوں کے درمیاں
یہی وہ بھوت امن کے پیام بر

بجا رہے ہیں دغدغوں کے ہاتھ سے عظیم آشتی کی ڈھولکی

مرے حبیب اب کہو طویل کاوشوں سے کیا ہوا

یہی کہ صحنِ گل سے ہو گیا خروج درد کا

۵

اگر تمھاری بات کا جواب دوں تو اے صفیرِ خوش ادا بُرا نہ جان

ترے رفیق و آشنا جو جا چکے

وہی کہ جن پہ آج تک تو گریہ بھی نہ کر سکا

بتا کہ سبز آئینوں میں اُن کا حسن بولتا نہیں

برات چاندنی کی طشتِ ماہتاب میں کیا اُن کے نور سے نہیں

اُنہی کے زندہ سانس سے نہیں کیا آفتاب کی تمازتیں

اگر اُنہی نے دُھول کی رگوں میں دے کے پانیوں کا خوں

اُسے صفائے گل بنا کے وقفِ کوزہ گر کیا

اگر اُنہی کی چھینیوں کی دھار کے سبب

گراں وجود پتھروں سے جھانکتے ہیں دیوتا

وہی کہ جن کی حمد کے سبب حرم کے روزنوں میں بیٹھتی ہے فاختہ

فلک نشان گنبدوں کی چوٹیوں پہ کُہنہ سال اور جواں کبوتروں کی ٹولیاں

بنا رہی ہیں زندگی کے دائرے

تو پھر یہ مان اے ہمارے نغمہ گر

ترے رفیق و آشنا نہیں گئے

نہیں گئے وہ رونقوں کے دیوتا

وہ نرم ساز تالیاں ملانے والے برگ و بار سے

سبھی تمھارے آس پاس کھیلتے ہیں روز و شب سے
طوطیوں کے چہچہوں میں
کوئلوں کی راگنی میں
جھومتے ہیں سبز و سرخ شاخچوں کے روپ میں
ہوائے تازہ بن کے چھو رہے ہیں زندگی کے تار کو

سانولے خواب

ویرانی کے کنگرے چیخے شام کے سُرخ چوبارے سے
اُڑ گئی، چین کی نیلی چڑیا بام کے گول کنارے سے
دل کے خالی دالانوں تک یاد کے سائے آ پہنچے
درد کی آنکھیں چار ہوئیں پھر جگراتے کے تارے سے

چیتر رُت میں بُور اُترا تھا ایک لسوڑے والے گھر
گھر میں کبوتر اُڑتے تھے اور بُور اُنھیں بہکاتا تھا
نرم ہوا کی پرتوں سے جب پیڑ کی شاخ لرزتی تھی
سامنے والے بام کے سینے کانچ اُترتا جاتا تھا
نافِ ہوا نے شاخ کو چھو کر لمس لیا تھا کھیتوں کا
سانولی برسن کے پھولوں کی باس دلوں تک آئی تھی

رنگ کا دریا ڈوب گیا ہے وقت کی پیلی مٹی میں
چیتے پروں کی تیتری اُس کو باؤلی ڈھونڈتی پھرتی ہے
خواب کے گھر میں موتیا اُترا، دُھند بھری ہے آنکھوں میں
کون لیاوے موڑ کے تتری تیرے سجرے سانولے خواب

پُرسا

پوچھنے آیا نہ کوئی مجھ سے شہیدوں کے نام
دیکھنے آیا نہ شفق میں یہ نہائے ہوئے چاند
غم کی آواز ہے گلیوں میں نہ سڑکوں پہ ہجوم
لوگ جیسے کسی میلے میں گئے ہیں شب سے
اور اب تک نہیں لوٹے مجھے پُرسا دینے
اک خموشی کی صدا اور صدا میں وحشت
ایسی وحشت کہ دُعا دل سے لپٹ کر روئے
کوئی دن بھر مجھے پُرسا نہیں دینے آیا
کوئی لگ کر مرے سینے سے نہ رونے بیٹھا
اپنے مقتولوں پہ تنہا مَیں رہا گریہ کناں

مَیں چانن کے دیس کا پنکھو

میں چانن کے دیس کا پنکھو اور ماتھے پر لاٹ
سورج ساتھ شریکا میرا، دل تاروں کی ہاٹ
نیل کے منڈل والے پیڑ پہ آہلنے کی دہلیز
کلغی زرد چراغوں کی اور سُرخ عقیقی چونچ
روشن چونچ سے پکڑی میں نے صبح سویر کی شاخ
اک اک بوند جگر کی لے کر باندھے شفقی تار
گھور اندھیرا جگ نگری میں، کالا سب سنسار
اس نگری کے بیچ مَیں لایا کِرنوں کے کچھ ہار

میں چانن کے دیس کا پنکھو، اور پروں میں لَو
میرے آہلنے کی دہلیز پہ قوس کی لمبی موج

موج کی پہلی منزل پر ہے چودہ دن کا چاند
میرا بھوجن نور کے ریزے، دُھوپ کے اُجلے موتی
مِلک میں میری چاندنی فصلیں اور تاروں کے باغ
مَیں پنکھو، پر لوگ نہ مانیں، مجھ کو کہیں وہ شاعر
کالی شبوں میں کہنے والا چودھویں رُت کے شعر
میٹھے سُروں میں گاتا ہوں مَیں، سُن کر درد کے گیت
سادہ لوگ زمانے والے میرے بن گئے مِیت

شریر بالیو

اُٹھو شریر بالیو
اُٹھاؤ گاگریں، چلیں
تمام گاگریں ہوں پہلوؤں میں چاندی والیاں
سروں کی چوٹیوں پہ جس طرح بتاشے چاند کے
چلو کنویں کی گول اور نتھلی منڈیر پر
منڈیر پر سُہانجنے کی پتلی سی ڈالیاں
جھکی ہوئی ہری سیاہ پتیوں کی جالیاں
چلو، شفق کی روشنی میں ہَولے ہولے
چھم چھما کے چھم چھما
کنویں کی رانیوں اُٹھو
کنواں تمھاری زندگی کا راز داں
کھڑے ہیں، جس کی چرخیوں کے پاس بالکے

سنہرے بالکوں کے کانوں میں ہیں چھوٹی بالیاں
تماشا دیکھتی ہیں کالی کالی انکھیوں کی ڈوریاں
اُٹھا کے پھینکتی ہیں گاگروں پہ آدھے خوابوں کی خماریاں
چلو کنویں کی پاک بلبلو، سہیلیو
اُٹھاؤ گاگریں چلیں
کنواں تمھاری زندگی کا سانجھنا، سُہانجنا

زیتونوں کا باغ

زیتونوں کا باغ لگایا نیلی آنکھوں والے نے
باغ میں نیلا مینہ برسایا برکھا رُت کے کالے نے
دار کی شاخیں پھیل رہی تھیں شام کے پھیلے سائے میں
شاخ کو بوسے دے کر پالا مریم ہاتھ کے پالے نے
آگ کے سینے میں دہکائی چوب ہری مہتابی کی
اور ہوا میں چھلکائی اِک باس اَمر کے دھارے کی

پاک پروں کا پرندہ تھا وہ شاخِ فلک سے اُترا تھا
روح کے نازک اِکتارے پر درد کی آیت پڑھتا تھا
دیکھنے والے دیکھ رہے تھے باغ میں اُڑتا وہ طائر
لال اُفق سے اُترا تھا روغنی گھر میں ڈوب گیا

لیکن جن کے دل تانبا تھے کون اُنہیں پگھلاتا نور
سبز صحیفے بیچنے والے بیٹھے روشن راہوں پر
پیلی ہیکلی مُہریں دے کر حکم لیا تاریکی کا
دستِ شفا میں کیل پروئے موت کی کالی ضربوں سے
نیکی والے سر پہ سجایا تاج گنہ کے خاروں کا
آبِ حیات کو موت پلا کر آگ بجھائی سینے کی

ریشمی تانا بُننے والے بُن گئے آخر ایک صلیب
ایک گلابی رنگ فرشتہ دار دیا ہشیاروں نے
پتھر آنکھیں صاف کُھلی تھیں اور تماشا زندہ تھا

اک نگر کی باوری

اک نگر کی باوری کچی راہ پر چلی
کچی رہ کے دو طرف پانیوں کے شہر ہیں
پانیوں کے شہر میں کشتیاں ہیں آگ کی
سُولیوں سے سر بلند کشتیوں کے بادباں
بادبانوں پر نظر تیز رُو ہواؤں کی

باوری کے پاؤں کی اُنگلیاں شراب کی
لڑکھڑا کے چلتی ہے ڈوبتی سی راہ پر
کچھ دنوں کی بات ہے باوری ندان تھی
شعلگی سے بے خبر ٹھنڈے دیس کی پری
بادلوں میں اُڑتی تھی ساونی کبوتری

ساونی کا رنگ تھا بیریوں کے رنگ میں
بیریوں پہ کاسنی پتیوں کی چھاونی
پتیوں کی اوٹ میں فاختہ کے آہلنے
کچی کچی تیلیاں آہلنے کی سانس میں

باوری کو کیا خبر اب نہیں وہ ساونی
ساونی کی کوئلیں کوئلوں کی بولیاں
چاندنی کے کنکوے جگنوؤں کی ڈولیاں
کس نگر چلی گئیں کس ہوا میں گھر گئیں
آہلنے بکھر گئے فاختائیں اُڑ گئیں

بانس کی نرکل

بانس کی نرکل دل میں پھنسی ہے، پھوٹ رہے ہیں نیزے
نیزے چھید رہے ہیں سانسیں اور سانسوں کی عمریں
کچی باتیں مت کر بھائی، باتیں نرکلوں جیسی
روح کی پرتیں پھٹ جاتی ہیں، کھا کر شوق نگینہ
موت کی لہروں والا، نیلی پرت کا ہالا
سرد ہوا سے کٹ جاتا ہے، جیسے ناگنی سینہ
زہری منکے والا، سبز لہو کا پالا
کچی باتیں کرنے والے دیکھ ہوا کی صحبت
جھاڑ کے کانٹے رکھ دیتی ہے، نرم لوؤں کے کانٹے
موت کا پانی بانٹنے والی، گھر گھر مشکیں بانٹے

بالکا من ہے چھوٹی عمر کا، عمر سبا کی رانی

ہُدہُد جس کی کھوج میں بیٹھا، خبریں دینے والا

خاموشی سے کھود رہا ہے صندلی تخت پُرانا

کھینچ کے آخر لے جائے گا اِس کو ہیکلی راجا

کچی باتیں مت کر بھائی، بانس کی نرکل جیسی

اگر ہوا چلی

اگر ہوا چلی
اگر وہ تیز رُو چلی
اگر ہوا کی سمت دوسری ہوئی
اگر وہ ناخدا کے اِختیار سے نکل گئی
اگر سمندروں کے پُر وقار رہوار لے اُڑی
اگر تہوں کے کُہنہ سال بوڑھے پانیوں سے لڑ پڑی
اگر خدائے عدل کے مصفّا آئینوں کو دُھندلا گئی
اگر ہوا شمال کے طواف سے چلی
اگر وہ تیغِ سرد ہاتھ میں اُٹھا کے گھومنے لگی
اگر ہوا نے کاٹ دیں چراغ کی لَویں
اگر لَوؤں کی روشنی سے تیرگی کے خوانچے بھر دیے
اگر ہوا نے چاندنی کے بادباں اُلٹ دیے

اگر صبا کے راستوں پہ سرکشی کے گرد باد رکھ دیے
اگر ہوا نے آسماں کے فیصلے بدل دیے
تو اے دِلوں کی رسیوں کو باندھ دینے والی دیویو
کہاں تلک بندھی رہیں گی بے یقیں دِلوں کی رسیاں
کہاں تلک بغل کی خورجین سے نکالتی رہو گی راز کی کرامتیں
اگر ہوا چلی
اگر ہوا نے فرصتیں نہ دیں

یہ دھرتی اُن تاروں کی

یہ دھرتی اُن تاروں کی جو کالی رُت میں جاگے ہیں
تُونبا تُونبا لاٹ جلا کر صبح کے بھاگ نکھارے ہیں

دل کا چاند جگر کی سِل پر پیسا پیسنے والوں نے
رتی رتی رزق بہایا دو پَڑ گھومتے گالوں نے
خشک لبوں کا عرق نچوڑا دریا بانٹنے والوں نے
سرد ہوا سے سینہ تاپا تپتے دنوں کے پالوں نے
سرکنڈوں سے مُنجھ اُدھیڑی بان بنانے والوں نے
محنت کات کے نور بنایا آگ جلانے والوں نے

سوچو، عرق بہانے والو، کِن مٹکوں سے سوچو گے؟
تیز کدال چلانے والے ہاتھ میں کتنے جام رہے؟

یہ دھرتی اُن تاروں کی ہے جن کے ماتھے چوڑی دار
ہر چوڑی میں بھید چھپا ہے اونچے بُرج بنانے کا
اُونچے بُرج بنانے والے زندہ گرد غباروں میں
پربت دن سے رات کنویں تک سورج ہانکنے والے لوگ
زرد زمیں کے اہراموں کی ریتی پھانکنے والے لوگ
یہ دھرتی اُن تاروں کی ہے جن کے ماتھے چوڑی دار

جو سچا فن کار

سر کاندھے کا بار پُرانا، جس کے سر پر بار
وہ جھوٹا مکار
سانچ سمے سے دُور رہے پر کہلائے اوتار
جس بستی میں زر کا پانی، اُس بستی کا یار
ہوس کا اِک بیوپار
اُوک اُٹھا کر چلنے والا کاہے کا ہشیار
ناند گدائی بیٹھا پیوے ازل کا دھوکے دار
طوق ہوائے شہر کا اُس کی گردن پر آزار
شاہ کا ریزہ خوار

ایک سخی سردار وہ سچا، شانے جس کے چار
موت کا ماتھا چومنے والا، سر کا پھینکے بار
سر کی جگہ پر سُرخ پھریرا لہر علم بردار
اور دُہائی دیتا جائے سانچ کا پہریدار
بُرجوں کا سردار
وقت کے تسمے باندھنے والا لوبھی اور ہتیار
ہتیارا فنکار نہ ہووے، لاکھ کرے وہ کار
دل کی رگوں پر قلم چلا کر بھرے لہو کی دھار
ایسی رُت میں سانچ مسافر، سُولی کا اسوار
حرف لہو سے لکھتا جائے، حرف فقط اِنکار
ہر لمحے سو بار
جھوٹ کی ناف پہ رکھ کر پھیرے لعنت کی پرکار
سر دیوے پر بات نہ دیوے، دیوا چانن ہار
لمحہ لمحہ پھیلتے جائیں جس کے سُچے تار
تار جلیں تو مہک اُٹھے ہر ندیا کا پار
اور تماشا بن جائے ہے رین پورہ دربار
رین پورہ دربار اُجاڑنے والا ہی اوتار
اِک سچا فنکار

اے میر باقر

پلٹ کے دیکھو اے میر باقر زمانہ کیسے بدل گیا ہے
تمھاری دلی کی ساری گلیاں سیاہ سانپوں سے بھر گئی ہیں
کتابِ حمزہ سُنانے والے رئیسِ قصہ کو ڈس رہی ہیں
اے میر باقر
بھلے دِنوں میں تم اپنے قصوں کی بھاری گٹھڑی
کمر پہ لادے اُفق سے آگے نکل گئے تھے
شبوں کی کالی سحر سے پہلے گزر گئے تھے
تمھیں خبر ہو
تمھارا محمود، داستانوں کا شاہزادہ
شبوں کے مُلکوں میں نورِ قصہ لے جانے والا اکیلا سورج
روئے زمیں کو بڑی کہانی بتانے والا تمھارا وارث
وہ سحر زادوں میں گھِر گیا

بُری مصیبت میں پھنس گیا ہے
پلٹ کے دیکھوا ے میر باقر
امیرِ حمزہ کی بادشاہی میں بسنے والا
عمرو کے قصوں کا کہنے والا
سخُن کی رمزیں جسے سلامی کے تحفے بھیجیں
نظر کے تارے جبینِ روشن کا بوسہ چاہیں
وہی جو صامت ورق کے طبقے
زبورِ آیت بنا کے دِل پر اُتارتا ہے
خلا میں چہرے اُبھارتا ہے
وہ نُطقِ معجز بیاں کا مالک
حلیفِ حمزہ
شرف کا محمود آج تنہا ہے منتروں میں
دِلوں پہ پھونکیں لگانے والے تمام وادی کے ساحروں نے
یہ عہد باندھا کہ اُس کی روشن جبیں کا داغیں
زبانِ طاہر کو طعنِ فتنہ کی آگ دے کر ہوس سے جوڑیں
فلک کے سورج کو شب سے باندھیں
پلٹ کے دیکھوا ے میر باقر

محمود فاروقی کی نذر

پرانے گنبد

پُرانے گنبدوں کی سمت چل
پرانے گنبدوں کے درمیاں سفید پتھروں سے گرد جھاڑ کر
ذرا سی دیر ملگجی سی روشنی میں بیٹھ
روشنی، جو گنبدوں کے روزنوں میں سُرمئی کبوتروں کے گھونسلوں سے
چھن چھنا کے پھیلتی ہے
اُن بُرے نصیب والے مدفنوں کے آس پاس
جن کے بیچ بے زبان، خستہ حال ہڈیاں ہیں
ہڈیوں میں عبرتیں ہیں
عبرتوں کو کیا خبر، وہ گنبدوں کے سائے میں
مہیب اور پُر وقار گنبدوں کے سائے میں
اُبھرنے والے سورجوں کے واسطے صدائیں ہیں
غموں کو بانٹتی ہوئی

خمارکوش چشم کھولتی ہوئی
قدیم موت پھینکتی ہوئیں
قیامتوں کے صور پھونکتی صدائیں
اِن عبرتوں کو کیا خبر
کہ گنبدوں کی کجکلاہ چوٹیوں کو روندتی ہیں وحشتیں
یہ وحشتیں، جو پالتی ہیں روز وشب کا رزق دے کے سینوں میں حقارتیں
مگر وہ پھڑ پھڑاتے سُرمئی کبوتروں کے گھونسلے ہزاروں سال سے
پکارتے ہیں رہ روانِ سادہ لوح کو غرور سے
تھکے ہوئے مسافروں کو دُور دُور سے
کہ مانگ لیں وہ اب بھی ان شہوں کی بے زبان ہڈیوں سے روشنی
جنہیں سیاہ کار کاتبوں نے لکھ دیا تھا عادلوں کا دیوتا
بشارتیں سنانے والا نیک رُو مہابلی

مہرولی کے باغ

کس نے دیکھے مہرولی کے باغ
چھتناروں کی چھتری والے ساون صورت باغ
گزرے ماہ و سال میں تنہا
اُجڑے شمسی تال کے برِوا
پڑھتے ہیں آکاش کا نوحہ مہرولی کے باغ
سو گئے جن کے ہمسائے میں چھ صدیوں کے راگ
دارین اُٹھو، دو آنکھیں لے لو
ساتھ چمکتا سورج بھی ہے
اور فضل کی صورت بھی ہے
گزرے غم کا نوحہ پڑھتے جائیں
اور باغوں سے ہو آئیں
کچھ دیر قطب کی دلی کا جی رو آئیں

سبز خرابوں کے پیڑوں کو دھو آئیں

اُن ولیوں کو بہلائیں

جن کو جمنا کے پانی نے پالا تھا

جن پر سایا گہرے رنگوں والا تھا

جن کے ناز اُٹھاتے تھے　　اُن شاہوں کے مالی

ایک زمانے بیچ رہے ہیں　　جو وقتوں کے والی

اُن باغوں تک ہو آئیں

دارین چلو اُن شاخوں کو چھو آئیں

جن پر جھولا جھولنے والی سب پریاں

خاصانِ حرم کی ہوتی تھیں

لمسِ نگہ میں رہتی تھیں

اُن شاہوں کا پہلو بن کر سوتی تھیں

آج کھنڈر میں جن کی قبریں اک آیت کو ترستی ہیں

آنے والے سیّاحوں کے سینے لگ کر روتی ہیں

ان قبروں کے مرمر قبّے سیم ہوائیں کاٹ گئیں

اور کتبوں کی تحریروں کو صدیوں کی زبانیں چاٹ گئیں

دارین سنو، اب کون فضل کو سمجھائے

شمسی تال کے پہلو سے جو اُٹھ کر ساتھ نہ آئے

یہ باغ آموں کے،

بوڑھے باغ پرانے
جو مہرولی کے باسی ہیں
اور بہت سنیاسی ہیں
جن کے اُجڑے ہمسایوں پر کالی راتیں بیت گئیں
یہ عمروں کے کھانے والے
اُن صدیوں کے راوی ہیں
جن صدیوں کا نوحہ کہنے ہم آئے مہرولی میں

کانچ کا شہر

ہوس کے ملک میں کہیں
سرابِ چشم کے قریں
سنو، کہ ایک شہر تھا
وہ شہر سب تھا کانچ کا
تمام چوک، شہ نشین
شاہراہیں، شہ درے
مقام و راہ، منزلیں
نقیب و اسپ کانچ کے
حویلیاں، فصیل و در
مکان و بام کانچ کے
سرائیں، ہوٹلیں، حمام
گردوارے، خانقہ

مقابرِ فقیر و شاہ
کاخ و گنبد و کلس
منار، مسجدوں کے در
تھے کانچ کے کلیسا گھر

قریبِ شہر کوہ تھا
بلندیوں کا ہم نفس
ہزار خوشنما مگر
وہ کوہ سب تھا کانچ کا

مضافِ شہر باغ تھے
ہزار رنگ تتلیاں
گُل و گلاب خوشبوئیں
درخت، سرو، پھول، پھل
شجر حجر کے شانچے
تھے برگ و بار کانچ کے
تمام فصلیں کانچ کی
شراب و آب کانچ کے
قریب و دُور کے نگر
درونِ شہر خشک و تر
مکین ہائے بے خبر

ہوائے شہر کانچ کی
وہاں کے پنچھی کانچ کے

تھرکتے آب نہر کے
روان بیچ شہر کے
موجِ تُند کے حباب
تیرتے ہوئے شباب
تازہ رُو کنارِ سبز
سبزہ گاہیں کانچ کی

سفید صبح کانچ کی
سیاہ شام کانچ کی
تمام دن کی روشنی
تمام شب کی تیرگی
فسانہ ہائے ماہ و سال
کانچ کی خزاں بہار

سینکڑوں، محلے، گنج
کٹڑے، آستاں بلند
سقف، آنکڑے، ستون
ہزاروں ڈاٹ، سر رکوع

کانچ کے تمام گھر
گھروں میں لوگ کانچ کے

دل و دماغ، سینہ، سر
سماعتیں، بصارتیں
کلامِ شیریں و شکر
خیالِ شعرو حرف و لفظ
رنگ و صوت و موقلم
مصوری وَ کینوس
سرودو ساز و نغمہ، سُر
رُخانِ سبزہ، روئے زن
تھے کانچ کے ہی گل بدن

سو، کانچ کے دیار میں
نہ گل کا سایہ تھا کہیں
نہ سایۂ مکان تھا
نہ برگدوں کی چھاؤں تھی
نہ چھت کا سائبان تھا
نہ ابر میں طراوتیں
نہ شہد میں حلاوتیں
نہ شبنموں میں ٹھنڈکیں
نہ بادلوں میں بجلیاں

چہار سو تھے شہر میں
چمکتے سورجوں کے دَل
بھڑکتی دُھوپ کے غبار
ہر طرف بلند تھے
سڑک کے بیچ دُھوپ تھی
گلی کے درمیان دُھوپ
سرا و خیمہ گاہ میں
مکان و قصرِ شاہ میں
گھروں کے آنگنوں میں دُھوپ
ڈیوڑھیوں میں دھوپ تھی
مقام و منزل و سفر
سراب و حوض و راہ ور
مضافِ شہر کے مکیں
تمام دھوپ کے نگیں
شبوں کی مجلسوں میں دھوپ
دن کی خلوتوں میں دھوپ
ذہن و چشمِ شوق میں
گلوئے خوش نوا میں دھوپ
مرمریں بدن میں دھوپ
حد تو یہ ہے دوستو
دِلوں کے بیچ دھوپ تھی

یہی مقام تھا جہاں
حیات بے اماں ہوئی
جو سود تھی زیاں ہوئی
اُڑا تمام رنگِ سبز
رفتہ رفتہ بات زرد
زرد ہو گیا سلام
شہر کا حسیں نظام
خشک ہو گیا تمام

پھر ایک روز یوں ہوا
کہ دھوپ کے شرار سے
حرارۂ نگار سے
تڑخ گیا وہ شہر سب
تمام کانچ ریزہ ریزہ
ایک پل میں ہو گیا
دُھویں کی رَو میں کھو گیا
پھر اُس دیار کا نشاں
کسی کو بھی نہ مل سکا
ہزاروں سال ہو گئے
کہ شہر اک تھا کانچ کا

مگر ہزاروں سال بعد
اُس خرابہ میں کہیں
تھا دفن ایک خوش نوا
وہ شاعرِ شفق ادا
اُسی کے دل کی خاک سے
پھر آج پھوٹی کونپلیں
وہ کونپلیں ہیں نور کی
حیاتِ دل کے بُور کی
ہزاروں سال بعد پھر

صنوبر سا آدمی

وہ اِک صنوبر سا آدمی تھا جو زرد موسم کے راستوں پر مجھے ملا تھا
صبا کی روشن رفاقتوں کا امیں رہا تھا
وہی جو گزری رُتوں کے سائے میں بکھرے پتوں کو چُن رہا تھا
خنک ہواؤں کی ٹھوکروں سے شکستہ شاخوں کو تھامے تھامے
جو تھک چکا تھا

وہی تھا زندہ دِنوں کا ساحر
مہکتی صبحوں کی نم ہواؤں کا چھونے والا
شبِ ہُنر کا رفیق و یاور
دِیوں کی رونق میں پلنے والا
نقوشِ لیلیٰ کی بہتی کرنیں صفائے دِل سے پرکھ پرکھ کر چُرانے والا
عمیق جذبوں سے شعر و معنی کے آئینوں میں سُبک روی سے اُترنے والا

وہ اِک صنوبر سا آدمی تھا
سفید کلیوں کے راستوں پر نفیس قدموں سے چلتے چلتے

خزاں کی وادی میں آ گیا تھا
خزاں کی وادی میں دیکھتا تھا چمکتی آنکھوں سے دُھندلے چہرے
جو شامِ فرقت کی چادروں میں چھُپے ہوئے تھے
وہ دھُندلے چہرے
جنھیں شفق کے سنہرے پنچھی کہیں اُڑا کر چلے گئے تھے
اُنھی کتابوں کے بکھرے اوراق دِل کی پلکوں سے گن رہا تھا
ورق ورق پر لکھی حکایت مقامِ عجلت میں کہنے والا
وہ قہقہوں کی تہوں میں ڈوبے غموں کے موتی لُٹانے والا
مجھے ملا وہ تو ایک شامِ اُفق کی رہ پر
جہاں سے آگے زمیں کی راہیں کھُلی نہیں تھیں
دُعا کی ڈوریں فلک کی زینوں پہ رُک گئی تھیں
عزیزِ جاں تھا رُتوں کا زیدی، ہزار دل ہوں نثار اُس پر
خزاں کے سینے پہ آج بھی وہ گُلوں کی بھاری برات لے کر رُکا ہوا ہے
وہ اِک صنوبر سا آدمی تھا
جو زرد موسم کے راستوں پر مجھے ملا تھا

سید عباس حیدر زیدی

اک تارا

اک تارا ندیوں پار گیا
پُر تال اُڈاری مار گیا
روگ سمے کے چار گیا
پرلے پانڈ کے پار گیا
اور روکنے والا ہار گیا

دیکھنے والے دیکھنے آئے
اُس کو چھپا کر لے گئے سائے
اَمر بقا کے، ملک پرائے
کوئی نہ جانے، بوجھ نہ پائے

ندیوں پار کا دیس انوکھا
وہم، خیال، دلوں کا دھوکا
رستا سان گمان سے گھرا

تیرنے والا ڈوب گیا
اور ڈوبنے والا پار گیا

سفید کاغذ

سفید کاغذ پہ کیا لکھوں گا
اگر نہ بھیجیں زباں کے وارث
مہکتے لفظوں کی روشنائی
دِلوں سے واقف حروف و معنی
سفید کاغذ پہ کیوں لکھوں گا
اگر نہ پیدا ہوں شعر و نغمہ کی حدتوں کو سمجھنے والے
حسد سے خالی، شریف لہجے میں داد لفظوں کی دینے والے
وہی رفاقت کی سبز فصلوں کے معتبر اور سخی حوالے
ازل کی لَو میں کریم لوگوں کی بستیوں سے جُڑے ہوئے ہیں
کھُلی جبینوں کے یہ صحیفے اگر نہ ہوتے
تو پھر دلوں کے سیہ مناروں پہ لمحہ بھر کو اذاں نہ ہوتی
سخن وروں کو اماں نہ ملتی، قلم کی رونق، فزوں نہ ہوتی

صدائیں اہلِ ہُنر کی آخر کوئے ندامت میں بیٹھ جاتیں
یہی سبب ہے کہ ہم نہ پل بھر کو اِن کے پہلو سے دور بیٹھے
کشادہ ہاتھوں سے بانٹتے ہیں جو چوڑی مشکوں سے آبِ نعمت
خدا سلامت رکھے یہ منظر کہ یہ حوالہ عزیز تر ہے
شبوں کی رُت میں چراغِ دل ہے
کہ اس کی قربت میں آبرو ہے مسافتوں کی
غموں کے دن میں ہے اِک دلاسا
کہ اِس دلاسے میں دُکھ گھلے ہیں
نیازِ اُلفت کی بند کلیاں لُٹانے والا
بھرے تبسم میں خوشبوؤں کا جگانے والا
سدا سلامت رہے یہ منظر

سید منظر نقوی کی نذر

جب ہم دریا پار کریں گے

جب ہم دریا پار کریں گے
لوگ ہمارا ساتھ نہ دیں گے
ہم کشتی پر تنہا ہوں گے
کشتی لہروں کی ہم جھولی
بولنے والی موت کی بولی
مجھ سے پوچھے گی پانی کی رمزوں کو
شکل بدلتی لہروں کو، ہچکولوں کو
ہچکولوں میں گھیرنے والے نیل کُنڈل کے سانپوں کو
مجھ سے پوچھے گی کشتی اُن رازوں کو
جن کے گہرے اُلجھاووں میں ہم ڈوبیں گے
ہم ڈوبیں گے تیرنے والی منجدھاروں میں
غیب کا حکم سنانے والے اُن تاروں میں

جن کا سینہ پتھر ہو گا اور پانی پگھلائے گا
کشتی کے خاموش غموں پر ایسا بوجھ بڑھائے گا
جو موجوں کی سیرابی میں دل پر بار کرے گا
ڈوبنے والے ہم پانی کے پھیراوے میں پھر ڈوبیں گے
جب ڈوبیں گے، لوگ ہمارا ساتھ نہ دیں گے
اور دیکھیں گے
ریت پہ بنتی سُرخ رنگوں کی تصویروں کو
اور سُنیں گے لہروں کو
جو گائیں گی میٹھے سُر میں موت کا نغمہ
موت کا نغمہ چلتے پانی کے باجوں پر باجے گا
لوگ سُنیں گے موت کا باجا اور روئیں گے
نیر بہانے والا نغمہ دیر تلک رُلوائے گا
اور ہمیں بتلائے گا
دیکھو! ہم نے تم پر کتنا رویا ہے

سلام

وہاں کرم کو ہے دوام، سلسلے شرف کے ہیں
ہماری دولتیں نہ پوچھ، ہم گدا نجف کے ہیں

زمانے والے ہم سے لاکھ منہ بسورتے رہیں
ہمارے بارھویں امام ہم تری طرف کے ہیں

قتال و کذب ولعن ہیں امیرِ شام کے نصیب
یقین وعدل ومہر وصدق سب علیؑ کی صف کے ہیں

قبول کر ہمارے اشک یا امیرِ عصرِ نَو
یہ چشم کے گُہر غمِ حسینؑ کے صدف کے ہیں

فریب کار دل تری جناب سے پرے پرے
مرے امام بس وَلا کے دل ترے ہدف کے ہیں

خمِ غدیر

کہاں ہو بوذر قریب آؤ
بلال نقارچی سے کہہ دو منادی کر دے
تمام صحرانشیں، عرب کے رئیس زادے
اب اک عصا بھر کا فاصلہ بھی نہ آگے جائیں
جو اس مقامِ علی سے آگے نکل گئے ہیں وہ لوٹ آئیں
جو سُست رو ہیں ہمارے پیچھے
وہ اپنے اونٹوں کو تیز ہانکیں، قریب آئیں
مَیں اُس خدا کی بشارتوں کا سنانے والا ہوں
جس کے وعدے غدیرِ خم کے عظیم میداں تک آ گئے ہیں
عرب کے پہلے اور
آنے والے دنوں کے بیٹو
بڑے قبیلوں کے شیخ زادو

سواریوں کی مہار کھینچو، زمیں پہ آؤ
یمن کے نیلے کناروں والی عبائیں کاندھوں سے نیچے رکھ دو
عمامے اپنے سروں کی صحبت سے دور کردو
سماعتوں کو مری صدا کے قریب لاؤ
یہ میرے پہلو میں میرا بھائی تمھاری آنکھوں کے سامنے ہے
ہم آج منبر پہ اس لیے ہیں کہ آنے والے دنوں میں کوئی
علی کی بابت دلیل مانگے تو اُس سے کہنا
کہ جن کے پالان سے یہ منبر بنا کے اُس پر علی کی حجت تمام کی تھی
اُنھیں دلیلوں سے کیا لگاؤ
عرب کے پیر و جوان سُن لو
یہ میرا بھائی سخی کا بیٹا، تمھارا مولا
حلال زادوں کے قلب اس کی محبتوں کی امان گاہ ہیں
یہی علی ہے عرب کا سید
اسی کے چہرے پہ قولِ صادق کی روشنی ہے
خُدا کے حلّ و حرم کا وارث
جب اُس کے دیں پر غنیم آیا
اِسی نے بڑھ کر نیام سے ذوالفقار کھینچی
یہ اُس نجیب و کریم ہستی کا مرد بیٹا
جسے خدا نے بھرے جہانوں میں میری بابت امین سمجھا
یہی ہے جس نے عرب کے فتنہ گروں کی ناکیں زمیں پہ رگڑیں
وہ گردنیں جو اکڑ گئیں تھیں

اسی کی تیغِ دونوک نے اُن کو آگ دی تو وہ خم ہوئی ہیں

خُدا کی آیت شریف لہجے میں سننے والو

اگر تمھارے نسب نہ روکیں تمھارا رستہ، تو اِس کو مانو

گلے میں اپنے اطاعتوں کا قلادہ ڈالو

اِسے سنو گے تو میں تمھاری بقا کا ضامن

تمھارے حج و نماز روزے قبول کرلوں گا، بس قرابت کا پاس رکھنا

زمیں کے پست و بلند خطوں میں رہنے والو

یہی علی ہے مری قرابت

جو آنے والے دنوں میں حجت

خدا کی بستی میں رہنے والے شریف لوگوں کے دل کی ڈھارس

یہ کفر و ایماں میں خطِ فاصل

جہان والو علی کو مانو تو مَیں تمھاری شفاعتوں کا کریم ضامن

سلامت رہے

سلامت رہے یا خدا شہرِ مکہ
جہاں اک شریفوں کا کنبہ مسلسل ترا نام لیوا
ترے اسم کی ذاکری میں یگانہ
بیاں کرنے والا تری حمد کا
وہ قبیلہ ہزاروں برس شہِ مکہ میں ٹھہرا
محمد کے اجداد کا شہرِ خوش بخت باقی رہے
خدایا سلامت ہوں عمران کے شہرِ مکہ کی گلیاں
جہاں تیرے محبوب نے اپنے قدموں کی مٹی کو چھوڑا
تپے ریگزاروں کو پاؤں کی ٹھنڈک عطا کی
سیہ پتھروں کو چھوا اور یاقوت کا رنگ بخشا
جہاں ایک والد نے بیٹوں سے مل کر ترے دین کی پاسبانی سنبھالی
وہ بوڑھا سخی، شعب میں جس کی اولاد پیتی رہی سوکھے چمڑوں کا پانی

مگر ایک لمحہ محمد کے چہرے سے آنکھیں نہ پھیریں

خدایا سلامت صفا اور مروہ

صفا اور مروہ کے دامن میں وہ نور کا گھر سلامت

محمد کے بھائی کا مولد سلامت

جسے دونوں بھائیوں نے یوں غسل بخشا

کہ اب اُس کی دیواریں روزِ ازل تک منوّر رہیں گی

محمد کے شانوں پہ ٹھہرے علی کے سبک بار قدموں کے صدقے

کبھی کوئی بُت اب غلافِ حرم میں نہ روپوش ہوگا

خدایا وہ مکے کی وادی کا پُرنور میداں سلامت

جہاں تو نے من کنت مولا کا فرمان جاری کیا ہے

خدایا سلامت مدینے کی گلیاں

مدینے کی گلیوں میں وہ گھر سلامت

دریاؤں کے پار

دریاؤں کے پار گئے کچھ گیت مرے
گیت مرے آوارہ پنچھی
اُڑتے ہیں افسانوں میں
اِک پربت کے بادلوں والے
تانبے کے دالانوں میں
اُڑتے ہیں کچھ گیت مرے غم خواری کے
دریاؤں کے پار آوارہ اُڑتے ہیں
چھو آتے ہیں بے دھیانی میں تاروں کو
پربت پار میں بسنے والے اسراروں کو

اُفقوں پار گئے تھے نیم دِلوں سے جو
نیلی بستی ڈھونڈنے والے بنجاروں کے پُور

اُس بستی میں شام ڈھلے ہی چھپ جاتے ہیں
جس کے پار اُ گن کے دریا بہتے ہیں
رات کو مجرا دے کر لوٹ آتے ہیں
لوٹ آتے ہیں گیت مرے
دریاؤں کے پار مرے کچھ گیت
گُہر سمے کے میت

دل کے بازار

اُسے دل کے بازار میں آئے عرصہ نہ گزرا
فقط چند روزوں کی باتیں
مگر کیسے کہہ دوں کہ وہ نَوعمر
رسمِ دلداری سے ناشناسا ہے اب تک
کراماتِ رمز و اشارہ سے، کیوں کر یہ سمجھوں کہ واقف نہیں ہے
جو مخمور آنکھوں سے ڈورے پروتا ہے تارِ شفق میں
وہ روشن نِگہ عکسِ شیشہ پہ ڈالے
تو مستی سے آبِ حیا رنگ ٹپکے
گرہ سینۂ سنگ کی رقصِ آواز سے کھول دینے پہ قادر
وہ شہزادہ ارمان پرور کتھا کی
کہانی کے ہر موڑ پر اجنبی ہے
مگر راہِ اُلفت کی بازی گری میں ہُنر آفریں

چشمِ کم باز سے پھینکے پانسے دلوں پر
تو اہلِ نظارا کو جائے اماں نہ ملے
رُخِ آئنہ رسمِ دیوار سے ناشناسا
فقط جادوئے حُسن سے سحر پھونکے
محبت کے مارے ہوئے شاعرِ خوش نوا پر
وہی شامِ رنگیں کا وارث
دلِ بے ریا میں مرے
مصرعۂ پُر غنا بن کے ٹھہرا ہوا ہے

علی اکبر ناطق کے بارے میں اب یہ حکم لگانا مشکل ہو گیا ہے کہ
جدید شعر میں ان کی اگلی منزل آگے کہاں تک جائے گی کہ ہر بار وہ
پہلے سے زیادہ چونکاتے ہیں۔ اُن کے پہلے کلام میں تازگی اور میرا
جی کی سی قوت اور داخلیت تھی۔ روایت اور تاریخ کا شعور بھی
حیرت زدہ کرنے والا تھا۔ اب کے کلام میں لہجہ جدید نظم کے
کلاسک شعرا سے بالکل الگ بھی ہے، نیا بھی ہے اور جوشِ درد
سے بھی بھرا ہوا ہے اور صرف اور صرف اُن کا اپنا ہے، اس سے
پہلے ایسی روایت موجود نہیں ہے۔ محبت کی باتیں بہت ہیں لیکن
اُن میں زیاں اور ضرر کا احساس بھی زیادہ ہے۔ لہجہ پیغمبرانہ ہے۔
نظم کا بہاؤ اور آہنگ کی روانی ایسی ہے کہ حیرت پر حیرت ہوتی
ہے، خاص کر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس وقت ان کے کلام پر
پنجابی کا اثر عام سے زیادہ ہے۔ اس کے باوجود یہ پیوند بہت ہی
اچھے لگتے ہیں۔ اس مجموعے کی نظمیں ہماری جدید شاعری کے
لیے ایک مطلق نئی چنوتی لے کر آئی ہیں۔ اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ
ہو طے۔
شمس الرحمٰن فاروقی
علی اکبر ناطق کی لگ بھگ ہر نظم سُننے کے بعد جب
لگتا ہے کہ شاید اس نے اپنے اظہار کی معراج
اور اس سے آگے بڑھنا ناممکن ہوگا، وہ اگلی ہی نظم
اختیار کر کے نئے سفر پر گامزن ہو جاتا ہے۔
کی نظم کا بیج مٹی میں ضرور ہوتا ہے لیکن نظم اُوپر اور اُوپر
اٹھتے جاودانی آسمان کی وسعتوں سے ہم آہنگ ہو کر آفاقی
اسطورہ بن جاتی ہے جسے آپ غیر فانی اساطیر کے پہلو میں دیکھ
سکتے ہیں۔ مجھے ایک اعزاز رہا ہے کہ میں پچھلے پانچ برس سے علی
اکبر ناطق کی تقریباً ہر نئی نظم کا اولین سامع رہا ہوں، اِس کے
باوجود کم ہی ایسا ہوا ہے کہ اُس کی نئی کاوش سُنتے وقت دل میں یہ
سوال پیدا نہ ہو کہ اس شخص کی تخلیقی صلاحیتوں کی کوئی تھاہ ہے بھی
کہ نہیں۔
زیف
شاعری
سانجھ
SANJH
PUBLICATIONS
Book Street, 46/2 Mozang Road, Lahore, Pakistan.
Phone: +92 42 37355323. Fax: +92 04 37323950
e-mail: sanjhpk@yahoo.com, sanjhpks@gmail.com
Web: www.sanjhpublications.com

ربِ لامکاں کا صد شکر ہے کہ اس نے ہمیں توفیق دی کہ ہم اردو ادب کی کتب کو سافٹ میں تبدیل کر سکے۔ اسی صورت میں یہ کتاب آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ مزید اس طرح کی عمدہ کتب حاصل کرنے کے لئے ہمارے گروپ میں شمولیت اختیار کریں۔

انتظامیہ برقی کتب

گروپ میں شمولیت کے لئے:

عبداللہ عتیق: 8848884 347 -92+

محمد ذوالقرنین حیدر: 3123050300-92+

اسکالر سدرہ طاہر صاحبہ: 0120123 334 -92+